ڈاکٹر محمد ریاض

اقبال اور نژادِ نو

اقبال ایک عظیم شاعر اور مفکر تھے ۔ قرآن مجید سے آپ نے یہ کمالِ ابلاغ سیکھا کہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ہر طبقۂ خیال اور ہر طبقۂ حیات کے افراد کے لیے ان کے کلام و پیغام میں یک گونہ کشش ہو اور اس معاملے میں ان کو خدائے تعالیٰ نے جو غیر معمولی کامیابی عطا فرمائی، وہ ان کی ہمہ گیر مقبولیت سے ظاہر ہے ۔ انھوں نے اپنے پیغام سے ملکی اور عالمی برادری کے کسی گروہ کو محروم نہیں رکھا اور ان کی تصانیف کی یہ معاشرتی اہمیت لائقِ اعتنا ہے ۔ فارسی میں شیخ سعدیؒ نے اپنے معاشرے کے ساتھ بڑی جامع وابستگی دکھائی اور اس ضمن میں اردو کے قومی شعرا مثلاً: مولانا حالی، مولانا شبلی، اکبر الہ آبادی، محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خاں کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے مگر اقبال کے منفرد مرتبے میں کسے کلام ہو سکتا ہے ؟ :

دو صد دانا دریں محفل سخن گفت　　　سخن نازک تر از برگِ سمن گفت
ولی با من بگو آن دیدہ ور کیست　　　کہ خاری دید و احوالِ چمن گفت [1]

اس امر کی توضیح کی چنداں ضرورت نہیں کہ اقبال کا پیغام بالخصوص مسلمانوں کی خاطر ہے اور بالعموم دوسروں کے لیے ۔ البتہ جس نکتے کی طرف ہم اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے زمرہ میں اقبال کے بیشتر مخاطب 'نوجوان' ہیں خصوصاً طلبا ۔

حیاتِ انسانی کا سلسلہ ایک تسلسل اور متعین نظام کے ساتھ جاری و ساری ہے ۔ بچے، جوان ہوتے، کہولت کو پہنچتے اور رفتہ رفتہ راہیِ ملکِ عدم ہوتے جاتے ہیں۔ اقبال کے مخاطب نوجوان، آج دنیا سے رخصت ہو چکے یا پیرانہ سالی میں زندگی گزار رہے ہیں مگر یہ سمجھنا غلطی ہوگی کہ علامہ مرحوم کے مخاطب کوئی خاص نوجوان تھے ۔ انھوں نے نئی نسل، نژادِ نو یا اپنے عزیز فرزند جاوید اقبال کے تلازمات کے ذریعے دراصل ہر دور کے مسلمان نوجوانوں کو خطاب کیا

ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ کسی دور کے نوجوان بھی اقبال کے پیغام سے بے نیاز ہو سکیں گے۔ ان کے پیغام سے وہی نژادِ نو منحرف ہو سکتی ہے جو اپنے ماضی سے انقطاع کرنے، حال سے تغافل برتنے اور مستقبل سے بے اعتنائی اختیار کرنے پر مُصر ہو، اور ظاہر ہے کہ دین و ثقافت سے ایسی بے رخی برتنا خودکشی کے مترادف ہے۔

اقبال نے اپنی زندگی کے آخری دس سالوں (۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۸ء) میں نوجوانوں کو خاص طور پر مخاطب کیا اور انھیں شاعرانہ حکمت کی زبان میں پند و نصیحت کی ہے۔ اس وقت آپ کا سنِ وسال پچاس سے متجاوز ہو چکا تھا اور ظاہر ہے کہ نفسیاتی اور منطقی طور پر نوجوان معمر بزرگوں کی باتوں کو قابلِ اعتنا سمجھتے ہیں اور اس عمر کے ناصح بھی پند و نصیحت کرتے اچھے لگتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ مذکورہ سن ۱۹۲۹ سے قبل بھی اقبال نے نوجوانوں کو خطاب کیا ہے۔ مثلاً:

قیامِ یورپ کے دوران (۱۹۰۵ تا ۱۹۰۸ء) آپ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبا کے لیے ایک نظم لکھی ہے[۱]۔ بانگِ درا حصہ سوم (۱۹۰۸ تا ۱۹۲۲ء) کے کلام میں اپنی شاملہ، صائب تبریزی فیضی اور بیدل کے اشعار کی تضمینات[۲] اور "تعلیم اور اس کے نتائج"[۳]، "فردوس میں ایک مکالمہ" اور "خطاب بہ نوجوانانِ اسلام"[۴] کے عنوانات والی نظموں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر نئی نسل سے خطاب کیا ہے مگر باتیں تعریفی اور انتقادی نوعیت کی ہیں۔ آخری نظم میں فرماتے ہیں ؎

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا

مثنوی 'اسرار و رموز' میں آپ[۵] نے ایک نوجوان کی فرضی اور تمثیلی کہانی جو کہ مرو سے بھاگ کر حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش[۶] کی خدمت میں آ پہنچا اور دشمنوں کی ایذا رسانیوں کی شکایت کی۔ حضرت موصوف نے اسے دشمنوں سے مقابلے کی خود شناسانہ خوبیوں سے مطلع کرتے ہوئے

---

[۱] بانگ درا، ص ۱۱۹

[۲] ایضاً صفحات: ۱۶۷، ۲۵۱، ۲۷۵، ۲۷۷

[۳-۴] صفحات: ۲۳۳، ۲۷۹، ۱۹۸۔

مطمئن فرمایا۔ 'پیام مشرق' میں آپ نے بازکی بچۂ باز کو نصیحت کے کنائے میں نوجوانوں کے بعض اوصاف گنائے ہیں۔ مثلاً:

نگہ دار خود را و خورسند زی — دلیر و درشت و تنومند زی
نصیبِ جہاں آنچہ از خرمی است — ز سنگینی و محنت و پُردمی است
پیِ شاہبازان بساط است تنگ — بہ پرنگ رفتن کند تیز چنگ
ز دستِ کسے طعمۂ خود مگیر — نکو باش و پندِ نکویان پذیر

'زبورِ عجم' اور اس سے منسلک دونوں مثنویاں نوجوانوں کے تخاطب سے تقریباً خالی ہیں اور اس کے بعد علامہ مرحوم کی وہ تحریریں اور اشعار سامنے آتے ہیں جو ۱۹۲۹ء میں یا اس کے بعد لکھے گئے اور نژادِ نو کے لیے دلسوزانہ نصائح سے مملو ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نوجوانوں کی غیر معمولی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کی آرزو، اقبال کی خاطرِ منور میں پہلے سے موجزن تھی، چنانچہ اکبر الہ آبادی مرحوم کے نام اپنے دوستانہ مکتوب مورخہ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۱۵ء میں آپ نے لکھا تھا:

"صرف ایک بے چین اور مضطرب جان رکھتا ہوں۔ قوتِ عمل مفقود ہے۔ ہاں یہ آرزو رہتی ہے کہ کوئی قابل نوجوان، جو ذوقِ خداداد کے ساتھ قوتِ عمل بھی رکھتا ہو، مل جائے اور اس کے دل میں اپنا اضطراب منتقل کر دوں[1]۔" جیسا کہ ہم شواہد کے ساتھ بیان کر رہے ہیں کوئی ۱۹۲۹ء کے قریب علامہ کی یہ آرزو بھی مکاتیب سے گزر کر نوجوانوں سے نمایاں تخاطب کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے!

۲۹ر نومبر ۱۹۲۹ء کو اقبال مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تشریف فرما تھے۔ یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین نے آپ کو ایک بہت عمدہ سپاسنامہ پیش کیا۔ آپ کی خدمات کو سراہا اور مذکورہ یونین کا تاحیات رکن بننے کا اعزاز آپ کو پیش کیا۔ اس موقع پر اقبال نے نوجوان طلبہ کو گرانقدر مشورے دیئے۔ مثلاً:

---

[1] اقبال نامہ ۲، ص ۳۹۔

ا۔کسی کی مخالفت کرنا ہو تو بھی عقل و انصاف کا دامن نہ چھوڑا جائے۔انگریزوں کی مخالفت میں انگریزی زبان و ادبیات، فکر تفلسفِ کی عادات اور مغربی طرزکی جمہوریت کی مخالفت کرنا دانشمندی نہ ہوگی۔

۲۔نوجوان اپنے حال کو بہتر بنانے اور مستقبل کی بہتر تنظیم فکر کی خاطر ماضی سے آگاہ ہوں۔

ان مشوروں کے بعد فرمایا: "میں گزشتہ بیس برس سے قرآن مجید کا بغور مطالعہ کر رہا ہوں۔ ہر روز تلاوت کرتا ہوں مگر میں ابھی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے کچھ حصوں کو سمجھ گیا ہوں۔ ..... میں امید کرتا ہوں کہ آپ میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو مطالعۂ قرآن میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ میرے ساتھ مل کر کام کریں۔ گزشتہ چند سال سے میں صرف اپنے جسدِ خاکی کا مالک ہوں۔ میری روح ہمیشہ آپ کی خدمات کے لیے حاضر رہی ہے اور جب تک میں زندہ ہوں، وہ آپ کی خدمت کرتی رہے گی۔"[۱] اس اقتباس سے واضح ہے کہ اقبال کو نوجوان طلبا سے کس قدر دلسوزی تھی اور قرآن مجید پر غور و تدبر کو ان کی خاطر کس قدر ضروری جانتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اقبال جملہ سائنسی اور فنی علوم کے سخت موید تھے۔ ارمغانِ حجاز میں والدین سے خطاب فرماتے ہیں:

به پور خویش دین و دانش آموز — که تابد چوں مه و انجم نگینش
به دستِ او اگر دادی ہنر را — ید بیضاست اندر آستینش

مگر قرآن مجید کی تعلیمات سے بے بہرہ افراد کو، خواہ وہ کتنے ہی تعلیم یافتہ ہوں، اقبال بنظرِ استحسان نہیں دیکھ سکتے تھے۔ فرماتے ہیں:

سینہ ہا از گرمیِ قرآن تہی — از چنین مرداں چہ امید بہی؟[۲]

اقبال نے اپنی شاہکار فارسی تالیف "جاوید نامہ" کو چوہدری محمد حسین مرحوم کے بقول[۳]

---

[۱] گفتارِ اقبال: مرتبہ محمد رفیق افضل، ص ۱۰۴، ۱۰۵

[۲] جاوید نامہ، ص ۲۳۵،

[۳] جاوید نامہ پر ایک نظر: نیرنگِ خیال، اقبال نمبر، ۱۹۳۲ء علی گڑھ۔

۱۹۲۹ء میں لکھنا شروع کیا تھا۔ یہ کتاب، جس کے مطالب مولانا اسلم جیراجپوری مرحوم کی تجویز کے مطابق پورے عالمِ اسلام کے نصابِ تعلیم کا جزو بننے کے لائق ہیں، ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی اور اس کی نادرہ بدیع "مناجات" کے آخر میں شاعرِ مشرق دست بدعا ہیں:

بحرم و از من کم آشوبی خطاست — آنکہ در قعرم فرود آید کجاست؟
یک جہان بر ساحلِ من آرمید — از کران غیر از رمِ موجے ندید
من کہ نومیدم ز پیرانِ کہن — دارم از روزی کہ می آید، سخن
بر جوانان سہل کن حرفِ مرا — بہرِ شان پایاب کن، ژرفِ مرا

یہ چار دعائیہ اشعار اس بات کے مظہر ہیں کہ علامہ کو اس کتاب کے ادق مطالب کا احساس تھا، اور چونکہ یہ موضوعات نوجوانوں کی ترغیب و تحریک کی خاطر تھے، اس لیے وہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ نوجوان ان عمیق باتوں کو کما حقہٗ سمجھ جائیں۔ کتاب کے اختتام پر علامہ نے کوئی ڈیڑھ سو اشعار کا ایک خصوصی ضمیمہ "خطاب بہ جاوید" سخنی بہ نژادِ نو" میں نوجوانوں کی خاطر ان سے اپنا دردِ دل کہا ہے۔ اس حصے کے بعض اشعار امثالِ سائرہ بنتے جا رہے ہیں۔ مثلاً:

آنکہ بود اللہ او را ساز و برگ — فتنۂ او حبِ مال و ترسِ مرگ
صاحبِ قرآن و بی ذوقِ طلب — العجب، ثم العجب، ثم العجب
کم خور و کم خواب و کم گفتار باش — گردِ خود گردندہ چون پرکار باش
حفظِ جانہا، ذکر و فکرِ بی حساب — حفظِ تنہا ضبطِ نفس اندر شباب
سرِّ دنیا، صدقِ مقال، اکلِ حلال — خلوت و جلوت، تماشایِ جمال
آبروی گل ز رنگ و بوئے اوست — بی ادب، بی رنگ و بو، بی آبروست

یہ حصہ نوجوانوں کی قوتوں کی بیداری، حمیتِ دین، تعلیم و تربیت، ادب و تہذیب اور روحانی بالیدگی کے لیے اقبال کا "پند نامہ" ہے۔ کاش وہ طالب علم جو اسے سمجھنے سے قاصر

۱؎ نوادرات، ادارہ طلوعِ اسلام

ہیں، اس کا انگریزی ترجمہ ہی دیکھ لیں [۵۱]۔

بالِ جبریل میں نوجوانوں کے بارے میں علامہ کے کئی ارشادات قابلِ ملاحظہ ہیں۔ ایک دعائیہ دوبیتی ہے :

جوانوں کو مری آہِ سحر دے　　پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے　　مرا نورِ بصیرت عام کر دے

شاہین، جرۂ شاہین، شاہینِ کافوری، بازجرۂ باز اور عقاب وغیرہم تقریباً مترادف ہیں اور یہ الفاظ اقبال کے ہاں متعدد بار آئے ہیں۔ اقبال کی آرزو رہی کہ مسلمان نوجوانوں میں اس پرندے کی جرأت، شہامت، استغنا اور شانِ فقر آجائے۔ اقبال با استعداد نوجوانوں کو درسِ شاہینی دینا، اپنے مشن کا ایک جزو جانتے تھے۔ فرماتے ہیں :

قبای زندگانی چاک تاکے　　چو موران آشیان در خاک تاکے
بہ پرواز آ و شاہینی بیاموز　　تلاشِ دانہ در خاشاک تاکے [۵۲]

اگر یک قطرہ خون داری، اگر مشتِ پری داری　　بیا من با تو آموزم طریقِ شاہبازی را [۵۳]

نوجوانوں پر اچھی یا بُری صحبت کے اثرات جلدی اور مؤثر طور پر مترتب ہوجاتے ہیں، اس لیے اقبال اخیار اور نیک سرشتوں کی صحبت اختیار کرنے اور اشرار و اوباش سے دُور رہنے کی تلقین فرماتے رہے ہیں :

صحبت از علم کتابی خوشتر است　　صحبتِ مردانِ حُر، آدم گر است
سترِ زن یا زوج یا خاکِ لحد　　سترِ مردان، حفظِ خویش از یارِ بد [۵۵]

---

۵۱ مترجم بشیر احمد ڈار ہیں
۵۲ زبورِ عجم ص ۱۴۹
۵۳ پیامِ مشرق، ص ۸۶
۵۴ مثنوی: پس چہ باید کرد، مسافر ص ۳۴۔
۵۵ جاوید نامہ، ص ۲۴۱

بالِ جبریل میں جاوید اقبال کے پردے میں آپ ہر نوجوان سے یوں مخاطب ہیں:[1]

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی　　خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ
حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی　　خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

اقبال، نوجوانوں کو سخت کوش اور محنتی دیکھنا چاہتے تھے۔ کسی کی تن آسانی، خصوصاً نوجوان کی اقبال پہ شاق گزرتی تھی:

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالیں ہیں ایرانی　　لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا، شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل　　نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی

یہ دوسرا شعر اس امر کا مظہر ہے کہ اقبال نوجوانوں میں حضرت حیدر کرار رض کے زبر پر تو غیر معمولی للّٰہی جسارت و دلیری نمودار ہونے کے آرزومند تھے۔ اس کے علاوہ حضرت سلمان فارسی رض حاکمِ مدائن کا فقر و استغنا،[2] مومن جوان کی متاعِ حیات ہے۔ اس آرزو کا اقبال نے کئی مقامات پر اظہار فرمایا ہے۔ فارسی میں اور اردو میں بھی مثلاً:

ای تو ما بیچارگاں را ساز و برگ　　وارہان ایں قوم را از ترسِ مرگ
ایں مسلمان زادۂ روشن دماغ　　ظلمت آبادِ ضمیرش بے چراغ
در جوانی نرم و نازک چوں حریر　　آرزو در سینۂ او زود میر
قم باذنی گوی و او را زندہ کن　　در دلش 'اللہ ھو' را زندہ کن[3]

اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور　　قلندری مری کچھ کم، سکندری سے نہیں
اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی　　ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد
شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا　　پُر دم ہے اگر تو، تو نہیں خطرۂ افتاد[4]

---

[1] بالِ جبریل صفحہ ۱۶۲
[2] ع حکمرانی بود و سامانی نہ داشت
[3] پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق
[4] ضربِ کلیم ص ۱۲ اور ۷۰۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا شباب جس کا ہے بے داغ، ضرب ہے کاری

دربارِ رسالت مآبؐ میں آپ کی ایک دعائیہ دو بینی ہے :

بدہ او را جوانِ پاک بازے سرودش از شراب خانہ سازے
قوی بازوے او مانندِ حیدرؓ دلِ او از دو گیتی بی نیازے[1]

اکتوبر ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی کلکتہ برانچ نے علامہ اقبال کو کلکتہ آنے اور مذکورہ فیڈریشن کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرنے کی دعوت دی تھی۔ اقبال علالت کی بنا پر جا نہ سکے مگر اس موقع پر جو پیغام دیا، اس کے درج ذیل جملے، اپنے سیاق کے ماورا بھی جرأت افزا ہیں کہ : "مخالف قوتوں سے ہرگز نہ ڈرو۔ اپنی جد و جہد جاری رکھو۔ کیونکہ جد و جہد میں ہی زندگی کا راز مضمر ہے"[2]

اقبال کا اردو ساقی نامہ، ایک بے نظیر نظم ہے جس میں انھوں نے اپنا غیر معمولی ایجاز و اعجاز دکھایا اور حقائق و معارف بیان فرمائے ہیں۔ نظم کا تیسرا بند دعا و آرزو کا حامل اور نوجوانوں سے متعلق ہے۔ شاعر، ساقیِ ازل سے دعا فرماتا ہے کہ :

خرد کو غلامی سے آزاد کر جوانوں کو پیروں کا استاد کر
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے میرا عشق میری نظر بخش دے

اس حصے میں شاعر نے اپنے درسِ آزادی و خودی، سوز و ساز، خلوت و جلوت کی متاع اور اپنے جملہ افکار و نظریات کو نوجوان نسل کے لیے وقف کرنے کا اعلان کیا اور خدا سے یہ دعا کی کہ اس کا یہ سدا بہار قافلہ، ان افکار کی صدائے حدی سے ہمیشہ متحرک اور نعال رہے :

مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
مرے نالۂ نیم شب کا نیاز مری خلوت و انجمن کا گداز
امنگیں مری، آرزوئیں مری امیدیں مری، جستجوئیں مری

---

[1] ارمغانِ حجاز، ص ۱۷۴، ۱۷۲

[2] گفتارِ اقبال، ص ۲۱۱

مری فطرت، آئینۂ روزگار — غزالانِ افکار کا مرغزار
مرا دل، مری رزم گاہِ حیات — گمانوں کے لشکر، یقیں کا ثبات
یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر — اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے — لٹا دے، ٹھکانے لگا دے اسے [1]

آخر میں اس امر کی طرف اشارہ کر دوں کہ اقبال کو تعلیم و تربیت کے موضوع سے غیر معمولی دلچسپی تھی اور ان کے تعلیمی افکار و نظریات کے بارے میں کئی کتابیں اور مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ آپ نے کئی سال تک عربی، فلسفے اور انگریزی کی تدریس کی، اورینٹل یونیورسٹی، اسلامیہ کالج لاہور، اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے امور سے وہ مدت العمر وابستہ رہے۔ ان عملی تجارب کی بنا پر وہ نوجوان طلبہ کے مسائل سے بخوبی آگاہ تھے اور یہی وجہ ہے کہ والدین، اساتذہ اور معاشرے کی جن کوتاہیوں سے نوجوانوں پر برے اثرات پڑتے ہیں، ان پر اقبال نے مفصل انتقادات لکھے ہیں۔ مگر ان امور کی تفصیل میں جانا، اس وقت کی ہماری گفتگو سے غیر متعلق ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اقبال کو خراب ترین حالات میں بھی نوجوانوں سے اصلاحِ احوال کی توقعات تھیں اور ہمارے معاشرے کے اس اہم اور حساس طبقے کے لیے اب بھی پیغامِ اقبال یہی ہو سکتا ہے کہ:

سینے میں اگر نہ ہو، دلِ گرم — رہ جاتی ہے زندگی میں خامی
نخچیر اگر ہو زیرک و چست — آتی نہیں کام کہنہ دامی
ہے آبِ حیات اسی جہاں میں — شرط اس کے لیے ہے تشنہ کامی
اک صدقِ مقال ہے کہ جس سے — میں چشمِ جہاں میں ہوں گرامی
اللہ کی دین ہے جسے دے — میراث نہیں، بلند نامی [2]

---

[1] بال جبریل، ص ۱۶۹
[2] ضربِ کلیم ص ۸۷